U5484 8-12-09.

Title - MUSLIM UNIVERSITY MEIN ISLAM WAGAIRA KE MUTALLUQ GHALAT BAYANI

Creator - Mohd. Ameen Zuberi

Publisher - Mufeed Aam (Agra).

Date - 1932

Pages - 16.

Subjects - Aligarh Muslim University - Tareekh; Hindustani Musalman; Aligarh Tehreek.

گذارش

بادی النظر میں ایک ایسی تقریر جو ۱۹۳۲ء میں کی گئی ہو ۱۹۳۳ء میں چنداں قابل لحاظ و توجہ نہیں ہو سکتی لیکن اگر اس سے مسلسل و مستقل اور مرئی و غیر مرئی طور پر قومی مفاد کے لئے خطرہ لاحق ہو اور ایک نظام ملّی پر خراب نتائج مرتب کرے یا وہ اس مفاد کو خطرات سے بچانے کی طرف رہبری کا باعث ہو اور نظام ملی کو خرابی و تباہی سے محفوظ و مصئون رکھنے کی طرف توجہ دلائے تو ہر وقت توجہات خاص کی مستحق اور لائق لحاظ ہے۔

اسی قسم کی ایک تقریر جو گذشتہ مہینہ میں مسلم یونیورسٹی کی مختصر تاریخ مرتب کرنے کے سلسلہ میں راقم السطور کی نظر سے گذری اور جس کے کچھ اثرات بھی محسوس ہوئے اِس رسالہ کا موضوع بحث ہے اور اُس پر اس دار العلوم کی حکمراں جماعت اور اصحاب متعلق کو توجہ دلانا مقصود ہے۔

مذکورہ بالا تقریر ایک حقیقت ہے یا ایک تہمت دونوں صورتیں بہرصورت قابل لحاظ و توجہات ہیں۔

محمد امین زبیری
علی گڑھ

۲۵ر جولائی ۱۹۳۳ء

مسلم یونیورسٹی میں اسلامی تہذیب و قار اور اسلامی علوم کے متعلق

غلط بیانی اور اصل حقیقت

۱۔ نواب صدر یار جنگ بہادر کا ایک بیان

"دوسرا خیال یہ ہے کہ کاش ہم اس وعدہ کو پورا کرسکتے جو پون صدی سے ملک اور قوم سے بالاعلان کیا جا رہا ہے۔ جب یہ درسگاہ ابتداءً قائم ہوئی تو اس کا نام محمڈن اورینٹل کالج یا یونیورسٹی ہے اس طرح یہ درسگاہ اوّل محمڈن اور مسلم ہے اس کے بعد کالج یا یونیورسٹی۔ کاش عملاً اس درسگاہ میں اس کا ثبوت ملتا' برخلاف اس کے اسلام' اسلامی تہذیب اسلامی وقار اور اسلامی علوم سے یہاں بیگانگی ہے' صرف یہی نہیں بلکہ ایک بار سے زیادہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم مقاصد بالا سے بیگانہ ہونیکا اظہار کرنا چاہتے ہیں

حال میں مجھ کو کس قدر افسوس ہوا جب میں نے پروفیسر کرنکو کی ایک چھٹی اپنے اس خط کے جواب میں پڑھی جس میں ان کے علی گڑھ میں زیادہ قیام نہ کرسکنے پر افسوس ظاہر کیا تھا اس چھٹی میں پروفیسر موصوف نے اپنے عدم قیام علی گڑھ پر افسوس کا اظہار کرنے کے بعد لکھا ہے' مگر میں نے علی گڑھ کے مسلم طلبہ میں اسلامک اسٹیڈیز سے کوئی مناسبت نہ پائی' برخلاف اس کے یہاں کے غیر مسلم باشندے اسلام اور علوم اسلامیہ سے نسبتہً زیادہ مناسبت اور شوق رکھتے ہیں اور ان کے اس شوق کو پورا کرنے کے لئے میں مختلف مقامات پر مختلف موضوعوں پر لکچر دیتا ہوں' جن پر توجہ کی جاتی ہے۔ یہ میرے وہ خیالات تھے جن کا اظہار کرنا میں نے ضروری سمجھا' ممکن ہے کہ اس کے بعد مجھ کو ان خیالات کے اظہار کا موقع نہ ملے۔ یہ سچی باتیں ہیں اس لئے معافی چاہنے کی ضرورت میں محسوس نہیں کرتا۔"

یہ چند جملے اس تقریر کے ہیں جو نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی ممبر کورٹ و سکرٹری صیغۂ دینیات (سنّی) و سکرٹیری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے ۲۲ اپریل ۱۹۳۲ء کو یونیورسٹی اسکول کے سالانہ جلسۂ تقسیم انعام میں فرمائی تھی جس میں طلبا[1] کے علاوہ عہدہ داران ضلع اسکول کا اسٹاف اور یونیورسٹی اسٹاف کے چند ممبر مقامی ممبران کورٹ اور نواب ڈاکٹر سر مسعود جنگ بہادر وائس چانسلر موجود تھے۔

ان مرقومہ بالا جملوں کے متعلق دو ہی رائیں ہو سکتی ہیں۔

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے جو ہر مسلمان کے لئے قابل غور ہے۔

یا

یہ ایک زبردست تہمت اور غلط بیانی ہے جس سے یونیورسٹی کی حفاظت ضروری ہے اگر یہ حقیقت ہے تو مسلمانوں کی جس اقامتی تعلیم گاہ میں "اسلام"، اسلامی تہذیب اسلامی وقار اور اسلامی علوم سے بیگانگی ہو اور ایک بار سے زیادہ مقاصد بالا سے بیگانہ ہونے کا اظہار کیا جاتا ہو وہاں مسلمانان ہند کا اپنے نونہالوں کو داخل کرانا۔ مذہبی نقطۂ نظر سے خطرہ میں ڈالنا ہے اور جو اصحاب اسلام کے نام پر یونیورسٹی کی مالی و اخلاقی امداد کرتے ہیں وہ اس حقیقت کی موجودگی میں بجائے ثواب کے معصیت میں داخل ہوتے ہیں

یونیورسٹی میں تعلیم دینیات و مطالعہ اسلامیات کا نصاب اور مذہبی نظام

لیکن دوسری طرف یونیورسٹی میں "اسلامی تہذیب" "اسلامی وقار" اور اسلامی علوم کے قائم رکھنے اور تعلیم دینے کے جو انتظامات ہیں اور جن کی نسبت ناظم دینیات کی سالانہ رپورٹیں شائع ہوتی رہتی ہیں وہ اس امر کا اطمینان دلاتی ہیں کہ مسلم یونیورسٹی ہر حیثیت سے مسلم ہے اور ہر جگہ سے زیادہ یہاں اسلام کی حفاظت کی جاتی ہے۔

اسکول کے ابتدائی درجات سے بی اے کے درجہ تک تمام مسلمان طلباء کو بلا استثنا ر

---

[1] اس زمانہ میں یہ اسکول صرف مڈل کی جماعت تک تھا کیونکہ ہائی اسکول کی جماعتیں انٹر کالج میں شامل تھیں

ایک مقررہ نصاب دینیات جس کا معیار درجہ بہ درجہ بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ پڑھنا اور اس میں مثل دیگر مضامین کے کامیاب ہونا لازم ہے اور اس لزوم میں یہاں تک سختی برتی جاتی ہے کہ اگر طالبعلم دینیات میں ناکام ہو تو فائنل امتحان کے جملہ مضامین کی کامیابی بھی اس کو کامیاب نہیں بناتی اور وہ فیل سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا سلسلۂ نصاب ہے جس سے عقائد۔ فقہ اور اخلاق اسلامی کی ان تمام معلومات پر عبور ہو جاتا ہے جن کی ہر ایک مسلمان کو تمدن و تہذیب اور معمولات زندگی میں ضرورت رہتی ہے۔ اس نصاب کی ترتیب کے لئے ایک قانونی کمیٹی ہے جس میں سنی اور شیعہ علماء اور چند پروفیسر شامل ہیں سنی علماء میں جناب حاجی الحرمین الشریفین مولانا سلیمان اشرف صدر (چیرمین) شعبہ دینیات و مطالعات اسلامیہ (اسلامک اسٹڈیز) جناب مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب ناظم دینیات۔ جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب (شمس العلماء) سابق مہتمم ندوہ (پرنسپل) اس مجلس نصاب کے ارکان ہیں اول الذکر علمائے کرام یونیورسٹی کے طلباء کو تعلیم بھی دیتے ہیں ان کے علاوہ مختلف درجات کی تعلیم مذہبی کے لئے اور چار عالم بھی مقرر ہیں۔ اور جن بچوں نے کہ قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم نہیں پائی، ان کے لئے قرآن مجید پڑھانے کا خاص انتظام ہے ایک درجہ قرأت بھی ہے جس میں ایک قاری ان طلباء کو قرأت سکھاتا ہے جو اپنے شوق سے داخل ہوتے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۰ء سے بی ٹی ایچ کا درجہ کھولا گیا ہے جس کی مدت تعلیم دو سال ہے جس میں قرآن۔ تفسیر۔ حدیث و اصول حدیث۔ فقہ و اصول فقہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ نیز ایک اور درجہ تکمیل قائم کیا جانا بھی پیش نظر ہے۔ اس کے امتحانات کا سلسلہ سنہ ۱۹۳۱ء سے قائم ہے۔ سال اول میں ۳ اور سنہ ۳۲ء میں ۷ طالب علم پریویس میں داخل ہوئے تھے۔ جو سنہ ۱۹۳۲ء کے امتحانات میں کامیاب ہوئے اور ایک نے آخری امتحان پاس کیا۔ یونیورسٹی کے مقررہ مضامین کے ماسوا جناب صدر شعبہ دینیات مولانا سلیمان اشرف

صاحب بطورِ خود شائقین علوم مذہبی کو خاص اصول کے ساتھ نہایت دلچسپ طریقہ سے درس تفسیر دیتے ہیں۔

بلاشبہ اس شعبہ میں تعداد طلبا کم ہے مگر اس کمی کے خاص اسباب سے قطع نظر کر کے ہم مولانا ممدوح کا ایک فقرہ السبیل سے نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں "ثانیاً یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کی تعلیم گہری استوار اور مستحکم بنیاد پر قائم کرنا چاہیے معلّم سے پڑھانے میں اور متعلّم سے پڑھنے میں کامل اور صحیح محنت لی جائے اگرچہ اس صورت میں طلبا کی تعداد زیادہ نہ ہوگی لیکن ؎ یکے مرد جنگی بہ از صد ہزار"

ارکانِ اسلام کی بجا آوری کا آئینی طور پر خاص انتظام و اہتمام ہے دینیات کا ایک مکمل نظم و نسق ہے اور اس کے فرائض ناظم دینیات مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب کے تفویض ہیں جن کے ماتحت (۱۴) امام بورڈنگ ہاؤسوں اور مسجد میں باقاعدہ نماز جماعت کا اہتمام رکھتے ہیں۔

رمضان المبارک میں ہر مکلّف طالب علم پر روزہ رکھنا یونیورسٹی کے قواعد کی رو سے بھی لازمی ہے۔ مسجد کے علاوہ تقریباً تمام بورڈنگ ہوسوں میں سنت التراویح کا انتظام ہوتا ہے۔ اور ایسے زمانہ میں بھی جب کہ سالانہ امتحانات قریب ہوتے ہیں کافی تعداد میں طلبا شریک ہو کر ذوق و شوق سے قرآن مجید سنتے ہیں شیعہ مذہب کی تعلیم اور ارکان اسلام کی پابندی بھی سنّی مذہب کی طرح ہے اور اس کے منتظم جناب مولانا یوسف حسین صاحب نجفی ہیں جو ایک نہایت مقدس عالم اور مجلس نصاب کے رکن ہیں اور شعبہ دینیات کی اعلیٰ تعلیم دیتے ہیں۔ تمام درجوں میں مضمون دینیات کے ساتھ طلبا کو خاص دلچسپی ہے، اور اکثر فرسٹ اور سکنڈ ڈویزن کے نمبر حاصل کرتے ہیں۔ ممتحنین علی العموم مستند علما ہوتے ہیں اور عام طور پر وہ اپنی رپورٹوں میں طلبا کی دلچسپی و قابلیت کا اعتراف کرتے رہتے ہیں۔

۴۔ پروفیسروں کی حیات و حالت مذہبی

یہ حالت تو اس درس و تدریسِ علوم دینی اور نظام ارکان مذہبی کی ہے جس کا تعلق طلبا سے ہے

لیکن یونیورسٹی اور بالخصوص رزیڈنشل یونیورسٹی کے مفہوم و تعریف میں پروفیسر بھی شامل ہیں لہٰذا چند جملے ان کے متعلق بھی تحریر کرنے مناسب بلکہ ضروری ہیں۔

بیگانگی اسلام کا فتوے دینے سے قبل نواب صدر یار جنگ کو یہ خیال کرنا لازم تھا کہ جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے جب تک کوئی پروفیسر زبان سے انکار نہ کرے وہ اسلام سے بیگانہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ اعمال و بجا آوری ارکان پر کچھ کہنے کے لئے زیادہ واقفیت زیادہ مطالعۂ حالات اور وسیع تعلقات سے حصول معلومات کی ضرورت ہے۔

کوئی شخص خواہ اس کو نصف صدی یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کا تعلق اس دارالعلوم سے کیوں نہ ہو جب تک طلبا اور پروفیسروں سے اس کا ربط و ضبط اور قریبی علاقہ نہ ہو یا مختلف اوقات میں ان کے حالات کی تحقیقات نہ کرے صحیح و مکمل واقفیت کا ادّعا نہیں کرسکتا صرف کورٹ کے جلسوں دعوتوں اور پارٹیوں کی شرکت یا مخصوص و محدود احباب کی ملاقات سے جس میں گھنٹہ دو گھنٹہ سے زیادہ صرفِ وقت نہ ہو کسی جماعت کی اندرونی زندگی پر کوئی شخص ایسی رائے ظاہر کرنے کا مجاز نہیں ہو سکتا نہ کہ اس پر ایسے فتاوے صادر کرسکتا ہے۔

پروفیسروں کی جماعت میں ایسے افراد کی اکثریت ہے جو نہ صرف تصدیق و اقرار کے ہی لحاظ سے یگانہ اسلام ہیں بلکہ فرائض و ارکانِ اسلام کے پابند ہیں اور بعض تو سنن و نوافل کی بھی پابندی کرتے ہیں او مسجد میں نہ سہی گھروں پر خشوع و خضوع کے ساتھ سربسجود نظر آتے ہیں ان کی تقریبات میں اسلامی شان ہوتی ہے صدقات و زکوٰۃ کے علاوہ ہر مذہبی تحریک میں بہ خوشی و بہ خلوص چندے دیتے ہیں اور خدمت کو آمادہ رہتے ہیں ان میں وہ خدا ترس بھی ہیں جو اپنے مشاہرات میں نہ صرف ذاتی [illegible] بلکہ ان

غریب مسلمان طلبا کو بھی جو ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں حقدار سمجھتے ہیں۔

نواب صدر یار جنگ بہادر کے اس فتوے سے چار ماہ قبل ہی مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی نے ان ہی کی موجودگی میں کانفرنس کے اجلاس منعقدہ رُہتک میں فرمایا تھا کہ

۴۔ ناظم دینیات کا ایک بیان

"اب چار سال سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ناظم دینیات کی حیثیت سے مقیم ہوں یہاں آکر مجھے جدید طرز کے تعلیم یافتہ اصحاب سے پالا پڑا ہے پروفیسروں سے بھی اور طالبعلموں سے بھی۔ میں اپنے قدیم وضع کے بھائیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے ان میں ایسے لوگ بھی ملے ہیں جن کی ظاہری شکل سے ان کو مسلمان سمجھنے میں بھی آپ تامل کریں گے مگر وہ نماز پنجگانہ کے شدّت سے پابند، خدا سے ڈرنے والے سچے، اور وعدوں کے وفا کرنے والے دغا فریب سے دور زکوٰۃ حساب سے دینے والے ملے۔

اس لئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان میں بہتیرے ایسے ہیں جن کا باطن ان کے ظاہر سے اچھّا ہے اور سب یکساں نہیں"

نواب صاحب نے ان جملوں کو ضرور سُنا ہوگا اور اگر اس وقت خیال دوسری طرف ہوگا تو ترتیب رپورٹ کے وقت لکھی ہوئی صورت میں نظر سے گذرے ہوں گے اس حالت میں نواب صاحب کا فتوے بجز اس کے کہ وہ ایک صریح تہمت یا ایک خطرناک غلط بیانی سے تعبیر کیا جائے اور کسی تعبیر کا مستحق ہی نہیں ہو سکتا۔ برخلاف ان کے مولانا موصوف شب و روز اسی رقبہ پر اور اسی ماحول میں بسر کرتے ہیں اور اسی جماعت کے ساتھ ان کا وسیع تعلق اور گہرا ربط ضبط ہے اس لئے ان کا بیان ذاتی معلومات و تجربہ حالات پر مبنی ہے اور یہی قابل قبول و لائق یقین ہے۔

نواب صاحب سال میں دو چار مرتبہ کورٹ کے کسی جلسہ یا کانووکیشن کی تقریب یا کسی پارٹی میں شریک ہوجاتے ہیں یا کسی ضرورت خاص کے لحاظ سے جب علی گڑھ تشریف لاتے ہیں تو دو ایک مخصوص دوستوں کے پاس تھوڑی دیر لطف صحبت کے لئے آجاتے ہیں کاش جمعہ وعیدین کی ہی جماعتوں میں شریک ہوکر نمازیوں پر ایک نظر ڈالتے یا کبھی رمضان المبارک میں شب کے وقت مسجد اور کسی بورڈنگ ہاؤس میں سنت التراویح کا نظارہ کرتے تو شاید یہ فتوے نہ دے سکتے۔

۵۔ اسلامی تہذیب وقار اور اُس کا مفہوم | تقریر کے ان ہی جلوں میں اسلامی تہذیب اور اسلامی وقار سے بھی بیگانگی بیان کی گئی ہے، اگر اسلامی تہذیب سے وہ مکارم اخلاق مراد ہیں جن کی تعلیم قرآن وحدیث میں ہے اور ہر ملک میں مسلمانوں کے تمدن و معاشرت کے نظام اور معمولات زندگی کا جزو لاینفک ہے تو بلاشبہ مسلم یونیورسٹی میں اس مکمل تہذیب کی ایک حد تک کمی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ قرون اولےٰ کے بعد کوئی اور اسلامی ملک اس کا کامل ترین نمونہ پیش کرسکا ہے یا آج کہیں ایسے نمونے موجود ہیں۔

جامعہ دیوبند اور جامعہ ندوہ جو خالص مذہبی یونیورسٹیاں ہیں اور جہاں کلیتہً مذہبی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اور ہر استاد علوم اسلامی کا فاضل اکمل اور عالم اجل ہوتا ہے کیا وہاں ہر ایک طالب علم اور اُستاد تہذیب اسلامی کا مکمل نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

پس اگر وہاں مکمل نمونے پیش نہیں کئے جاسکتے تو مسلم یونیورسٹی کی حدود میں اس چیز کو تلاش کرنا کس حد تک جائز ہوسکتا ہے تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اس تہذیب یعنی مکارم اخلاق کا کچھ پرتو ضرور اس سرزمین پر بھی پڑا ہے اور ہر طرف اس کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔

کوئی شک نہیں کہ یونیورسٹی کے پروفیسروں کو وہ مرتبہ حاصل نہیں جو صحابہ کرام یا علمائے عظام کا ہے نہ طلباء کو وہ درجہ حاصل ہے جو ائمہ اسلام کے اِن تلامذہ کو تھا جو اپنے اساتذہ کے جانشین ہوئے لیکن جہاں تک کہ عصر حاضرہ کے مسلمانوں کا عام اخلاقی معیار ہے یہ جماعت اس سے پست نہیں بلکہ کچھ بلند سطح پر نظر آئیگی۔

پروفیسروں کے زمرہ میں حضرت مولانا محمد سلیمان اشرف و مولانا ابوبکر محمد شیث وجناب مولانا یوسف حسن صاحب نجفی دام فیوضہم جیسے جلیل القدر علماء کی شمولیت اہتمام بجا آوری ارکان مذہب تجویز و تعلیم نصابِ دینیات اور ان کا حلقہ درس یہ سب امور بجائے خود دلائل باہرہ ہیں کہ مسلم یونیورسٹی حقیقی معنوں میں مسلم ہے۔ اسلامی وقار اسلامی تہذیب کا ہی مرادف ہے یا اس کا نتیجہ پس اگر اسلامی تہذیب موجود ہے تو اسلامی وقار سے بھی بیگانگی نہیں کہی جاسکتی۔

۶۔ نواب صدر یار جنگ اور علمائے کرام کی شرکت عمل اور توجہ کی ضرورت

اگر نواب صاحب کے نزدیک حقیقت وہی ہے کہ یونیورسٹی کو اسلام سے بیگانگی ہے اور اس کے اظہار پر اصرار ہے تو خود جناب ممدوح اس کی گورننگ باڈی میں کیوں شامل ہیں کیوں مالی و اخلاقی مدد دیتے ہیں اور کیوں عدوان و معصیت سے تعاون کرکے جنس عصیاں خریدتے ہیں اور کیوں اس جسارت کو جو خاصانِ خدا کا شیوہ ہے کام میں نہیں لاتے کہ ان علمائے کرام کو جو کورٹ میں رفیقان کار ہیں اپنا شریک کار بنا کر اور اپنی دولت و قوت کو تعاون تقوے کے لئے مخصوص کرکے بیگانگی اسلام کو دور کرائیں اور اگر ان کی سعی و کوشش غیر موثر رہے تو اس جماعت سے علیحدگی اختیار کرلیں جس نے اسلام کے نام پر مسلمانوں سے وعدے کئے اور ان کی دلیرانہ خلاف ورزی کی اور مسلمان نسلوں کو اسلام سے بیگانہ بنانے کا ایک زبردست نظام قائم کر رکھا ہے۔

۷۔ صدر شعبہ دینیات و ناظم امور مذہبی کے بیانات کی ضرورت

ہم اِس موقع پر صدر شعبہ دینیات کی توجہ کو

بھی مبذول کرانا ضروری تصور کرتے ہیں کہ اگر بی۔ ٹی۔ ایچ کی تعلیم بے حقیقت چیز ہے اور یونیورسٹی کا نصابِ دینیات محض ایک سراب ہے تو اُس سے اُن کا انتساب مسلمانوں کے لئے مغالطہ کا سبب قوی ہے ایک ایسا تعلق یا ایسی نسبت جس سے عام مسلمانوں کو مغالطہ یا دھوکہ ہو ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو قائم رکھا جائے،

لیکن اگر وہ تعلق و نسبت صحیح ہے اور مسلم یونیورسٹی میں اسلام، اسلامی تہذیب اسلامی وقار اور اسلامی علوم سے بیگانگی نہیں تو ان کا فرض ہے کہ بیگانہ کہنے والوں کی تردید فرمائیں اور اپنے شعبہ کا غلط حملوں سے تحفظ کریں۔

جناب ناظم دینیات کو بھی لازم ہے کہ اس حملہ کے بعد پھر وہ اس حقیقت و تجربہ اور معلومات و مشاہدات کو کسی قدر وسعت و وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں جس کو انھوں نے کانفرنس کے مذکورہ بالا اجلاس میں بالاجمال بیان کیا تھا۔

۷۔ پروفیسر کرنکو کا مفہوم مطالعہ اسلامیات

جناب موصوف نے پروفیسر کرنکو کی ایک چھٹی کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں علی گڑھ کے طلبا میں اسلامک اسٹیڈیز سے عدم مناسبت کا اور یورپ کے غیر مسلم باشندوں میں اسلام اور علوم اسلامیہ سے نسبتاً زیادہ مناسبت اور شوق کا اظہار کیا گیا ہے۔ کاش نواب صاحب موصوف اپنی تقریر کے سلسلہ میں اس چھٹی کو بھی شائع کر دیتے تو اس پر قابلِ اطمینان طریقہ سے بحث کی جاسکتی لیکن انہی فقروں کی مناسبت سے کہا جاسکتا ہے کہ پروفیسر کرنکو نے صحیح طور پر مطالعہ حالات نہیں کیا۔ ان کے نزدیک اسلامک اسٹیڈیز کا جو مفہوم ہے وہ اس سے متغائر ہے جس کو مولانا سید سلیمان اشرف مدفیوضہٗ نے اپنے رسالہ السبیل میں وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔

۸۔ تاریخ اسلام کی جانب مسلمان طلبا کا رجحان

مارچ ۱۹۳۰ء میں پروفیسر موصوف نے اسلامک اسٹیڈیز کا جو نصاب بنایا اُس میں اُنھوں نے صرف تاریخ اسلام کی (۳۰) کتابوں کو انگریزی میں اور مختار الدول کو عربی میں رکھا ہے لیکن علوم دینیہ اور فنون

شرعیہ کی سب سے ارفع و اعلیٰ اور اہم نوع کو چھوڑ دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مفہوم صرف تاریخ ہے لیکن یہی اسلامی تاریخ جو الیف اے اور بی اے میں بھی ہے اس کے ساتھ نہ صرف مسلمان طلباء کو خاصی مناسبت ہے بلکہ مسلمان طالبات بھی اس سے نسبت رکھتی ہیں چنانچہ ۱۹۳۲ء کے سشن میں الیف اے کے (۱۶۳) طلباء میں (۱۲۴) طلبا نے اسلامک ہسٹری لی جن میں منجملہ طالبات کے ۳ طالبات تھیں اسی طرح بی اے میں منجملہ ۱۵۴ طلباء کے ۶۷ طلباء تھے اور ۲ طالبات جو پرائیویٹ طور پر شامل امتحان ہوئی تھیں اُنھوں نے بھی اسی مضمون کو لیا تھا۔

۹۔ عربی کی طرف بے التفاتی اور رجحان پیدا کرنیکی ضرورت | عربی' جو بطور کلاسیکل لینگوج اور اختیاری مضمون کے ہے۔ اس مضمون پر بلاشبہ خاصی توجہ کی ضرورت ہے اور یہ عام شکایت ہے کہ ہر جگہ مسلمان طالبعلم اس طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں یہ کام آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے مسلمان طلباء کو اسکول سے ہی عربی لینے پر توجہ دلائے اور ہندوستان میں جو اسلامی اسکول اور کالج ہیں ان کے منیجروں اور انتظامی جماعتوں کو متوجہ کرے وہ اپنے طلباء میں عربی کا خاص شوق پیدا کریں۔ کچھ عرصہ گذرا کہ اخبار البشیر کے قابل اڈیٹر مولوی بشیر الدین صاحب مدظلہ' نے اعداد و شمار سے اس کمی بلکہ خطرہ کی جانب توجہ دلائی تھی مگر افسوس ہے کہ جو کام نواب صاحب ممدوح سے متعلق تھا اس کو نظرانداز کر دیا گیا اور ایک خواہ مخواہ غلط ! اعتراض کو اس زور و شور کے ساتھ پیش کرنے پر مائل ہو گئے کہ گویا مسلم یونیورسٹی میں اسلام خطرہ میں ہے۔

۱۰۔ اسلامک اسٹیڈیز کا وقار قائم کرانے کے لئے صدر شعبہ کا اپیل | نواب صاحب ممدوح کو اس امر کی طرف توجہ منعطف کرنے کی ضرورت ہے کہ کانفرنس ہمیشہ اس دارالعلوم کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ رہی ہے لیکن جناب ممدوح کی سکرٹری شپ

کے زمانہ میں اس نے ایک غیر متعلق ادارہ کی صورت اختیار کرلی ہے اس کو پھر اس یونیورسٹی کا قوت بازو بنایا جائے اور مولانائے ممدوح کی اس اپیل کو پیش نظر رکھا جائے کہ

"اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ اسلامک اسٹڈیز کو دلگیر و دلپذیر بنانے کے لئے متعدد اور بار بار ذی رسوخ و ذی وجاہت ہستیاں مسلم یونیورسٹی کی تحریریں لکھیں اس کی اہمیت پر مستقل تقریریں کریں گورنمنٹ سے استدعا کریں کہ جامع افراد کی قیمت کچھ گراں قرار دے اسی کے ساتھ طلبار کو وقیع وظیفہ دیا جائے معمولی ایم اے عربی کے لئے جب کہ وظائف کی ایک اچھی رقم دیجاتی ہے جس کی بدولت چند اشخاص عربی کے ایم اے دکھائی دیتے ہیں تو اسلامک اسٹڈیز کی بنیاد بغیر وظائف کیونکر استوار ہوسکیگی تقریر و تحریر دونوں میں ثبات و قرار کی قوت عطا کیجئے گورنمنٹ سے یہ استدعا کرکے کہ عربی ایم اے سے اسلامک اسٹڈیز کی سند بالاتر سمجھی جائے اس شعبہ کا رسوخ واحترام پیدا کیجئے"۔

۱۱۔ مسلم یونیورسٹی کا قیام و ارتقا ہم کو کسی صورت میں یہ امر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ مسلم یونیورسٹی کو عالم وجود میں آئے ابھی ۱۲ سال گذرے ہیں جس میں (۴) سال ابتدائی انتظامات کے تھے پھر اس کو اندرونی پالٹیکس کے ایک ایسے طوفان سے سابقہ پڑا جس نے اس کو بیخ و بُن سے ہلا دیا اور جو کم و بیش (۵) برس تک قائم رہا مگر جب طوفان رفع ہوگیا اور اطمینان و سکون پیدا ہوا تو سب سے پہلی توجہ اسلامک اسٹڈیز کی نوع اعلیٰ کی طرف مبذول کی گئی چنانچہ ۱۹۳۰ء میں ہی شعبۂ تعلیم علوم مذہبی (بی ٹی ایچ) جاری کردیا گیا جس میں بتدریج تعداد طلبا بڑھ رہی ہے اور اگر فیاض اصحاب نے اس کی ترقی کے لئے کچھ ہمت کی تو یقیناً یہ شعبہ سب سے زیادہ مستحکم اور سب سے زیادہ بلند معیار پر آجائیگا۔

۱۲۔ حملوں کی مدافعت اور غلط بیانیوں کی تردید کا فرض یہ پہلا موقع نہیں بلکہ اس

سے قبل بھی بعض ناواقفانِ حالات اور متعصب اشخاص نے اپنی غلط دینداری کے زعم باطل میں اس قسم کے بہت سے حملے اس ادارہ پر کئے ہیں لیکن یہ حملہ بہت شدید قسم کا ہے جو خود یونیورسٹی کے ایک جلسہ میں اور وائس چانسلر کی موجودگی میں کیا گیا اور حیرت ہے کہ وائس چانسلر نے خاموشی کے ساتھ برداشت کیا۔ ممکن ہے کہ اُنھوں نے جلسہ میں بے لطفی پیدا ہونے کے خیال سے اس کی مدافعت مناسب نہ سمجھی مگر یہ بات ان کے گمان میں بھی نہ ہوگی کہ اس تقریر کو کانفرنس گزٹ کے ذریعہ مشتہر کیا جائیگا لیکن تشہیر کا علم ہونے کے بعد اب وائس چانسلر کا فرض ہے کہ وہ نواب صدر یار جنگ کو اپنی تقریر کی تردید پر مجبور کریں۔ ورنہ مسلم یونیورسٹی اسٹیچوٹس (مندرجہ کلینڈر) کی دفعہ (۹) ضمن (۴) کے مطابق کارروائی عمل میں لائیں۔

جب کبھی اس درسگاہ پر اس قسم کے حملے کئے گئے ہمیشہ بروقت جواب دیا گیا ہے چنانچہ ۱۹۰۵ء میں پٹیالہ کے کرنل عبدالمجید خاں صاحب مرحوم نے جو علی گڑھ تحریک کے زبردست حامی تھے اور جنھوں نے ہمیشہ مالی و اخلاقی امدادیں دی تھیں یہاں کی مذہبی تعلیم پر ایک سُنا ہوا اعتراض کیا تھا نواب محسن الملک نے اسی جلسہ میں اس کی تردید کردی اور بالآخر کرنل صاحب نے معذرت کی۔ نواب وقارالملک کے زمانہ میں بھی ایک دو مرتبہ اخبارات میں اعتراض ہوئے اور جب وہ اعتراض ان کی نظر سے گذرے تو بغیر ایک لمحہ ضائع کئے ہوئے انھوں نے اس کی تردید شائع کردی مگر وائس چانسلر کی ایسی خاموشی یقیناً یونیورسٹی میں بیگانگی اسلام پر ایک مہر تصدیق تصور کی جائے گی۔

۱۳- پون صدی کے وعدہ کا ایفا

خاتمۃ الکلام پر نواب صاحب ممدوح کے اس فقرہ پر جو آغاز سخن میں ہے کہ "کاش ہم اس وعدہ کو پورا کر سکتے جو پون صدی سے ملک اور قوم سے بالاعلان کیا جا رہا ہے" روشنی ڈالنی ضرور ہے۔

سنہ ۱۸۷۲ء میں جب کہ اس دارالعلوم کا خاکہ ہی تیار ہوا تھا جناب سید محمود مرحوم نے یونیورسٹی کی ایک اسکیم مرتب کی تھی جس میں انھوں نے دارالعلوم کو دو صیغوں پر تقسیم کیا تھا اوّل صیغہ مدرسہ دوم صیغہ مدرستہ العلوم۔ صیغہ مدرسہ میں وہ تعلیم مقصود تھی جو روشن ضمیری اور ذہن و عقل کی کشادگی کے لئے ضروری ہے اور بسلسلہ تعلیم دینیات عربی زبان اور کتب مذہبی کو رکھا تھا صیغہ مدرستہ العلوم کے اعلےٰ درجہ کا مقصد کسی خاص علم میں جس کو کہ طالب علم پسند کرے نہایت عمیق اور قوی انتہائی تعلیم دینا تھا جس کے درجہ ادنیٰ میں سے چار سالہ میقات تعلیم میں عربی ادب کلاسیکل لینگوج کی ضمن میں تھا اور دینیات یعنی فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ کا نصاب مضمون اختیاری کی حیثیت سے تھا درجہ آخر میں یا درجہ مفاخرت میں جو ایم اے کے مساوی تھا دینیات بھی ایک خاص مضمون تھا جس طرح کہ ایم اے کے دیگر مضامین ہیں لیکن مدرستہ العلوم کا قیام اس اسکیم کے تحت میں نہ ہو سکا اور بجائے محمڈن یونیورسٹی کے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم ہوا جس میں تمام تر نصاب تعلیم سرکاری یونیورسٹی کلکتہ بعدہٗ الہ آباد کا تھا ساتھ ہی مشرقی مضامین کی تعلیم کا بھی اہتمام تھا لیکن چوں کہ طلباء اس میں بہت کم داخل ہوئے اس لئے وہ انتظام قائم نہ رہ سکا مگر سرسیّد مرحوم نے مذہبی تعلیم کو عام تعلیم کا جزو لازم رکھا اور آغاز کار میں ہی سنّی و شیعہ کی مذہبی تعلیم کے انتظام اور ترتیب نصاب کے لئے دو کمیٹیاں بنا دیں جن کے فرائض میں نصاب تعلیم مذہبی کا مقرر کرنا اور اس امر کی نگرانی تھی کہ تعلیم باقاعدہ اور ان کی مجوزہ اسکیم کے مطابق ہوتی ہے یا نہیں سنّی کمیٹی کا یہ فرض بھی تھا کہ وہ اس امر کی کوشش و نگرانی کرے کہ طلبا نماز پنجگانہ باجماعت ادا کریں اور رمضان المبارک میں سنت التراویح ادا ہو۔

اس کمیٹی میں سب سے پہلا نام نواب صاحب کے عم مرحوم حاجی محمد عبدالشکور خاں صاحب شروانی رئیس بھیکم پور کا تھا اس کمیٹی میں مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب مرحوم بھی تھے۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء تک من جملہ (۱۴) ممبروں کے (۱۱) ممبر علی گڑھ اور نواح علی گڑھ کے تھے اور خود جناب نواب صاحب ترتیب کمیٹی کے کچھ عرصہ بعد ہی سکرٹری منتخب ہو گئے تھے اور پھر سنہ ۱۹۲۰ء تک ٹرسٹیوں کی سینڈیکیٹ کے ممبر کی حیثیت سے صیغہ دینیات کا چارج انھیں کے ہاتھوں میں رہا۔

اگرچہ جن یونیورسٹیوں سے کالج کا الحاق رہا ان کے قواعد کی رو سے کوئی طالبعلم نصاب دینیات پڑھنے پر مجبور نہ تھا مگر کالج نے خود یہ قاعدہ بنا دیا تھا کہ کوئی طالب علم امتحان میں نہیں بھیجا جائیگا جب تک کہ وہ کالج میں امتحان دینیات پاس نہ کر لے۔ ساتھ ہی تربیت کے سلسلہ میں نماز و روزہ وغیرہ کا بھی بہ تاکید و تقید اہتمام تھا۔

سنہ ۱۸۹۸ء میں سرسیّد مرحوم کی یادگار میں کالج کو یونیورسٹی کے درجہ تک ترقی دینے کی تحریک بروئے کار آئی اور نواب محسن الملک مرحوم نے جو اپیل شائع کی تو اس میں مذہبی تعلیم کا وعدہ حسب ذیل الفاظ میں کیا تھا کہ "جب مسلمانوں کو نصاب تعلیم تجویز کرنے اور ڈگریاں دینے کا حق حاصل ہو جائے گا اور ایک جدید اسلامی یونیورسٹی گورنمنٹ کے چارٹر سے قائم ہو جائے گی تو وہ اپنی حالت اور ضرورت کے مطابق نصاب تعلیم تیار کر سکیں گے اور اس وقت یہ بات لازمی ہو گی کہ ہر ایک مسلمان طالبعلم ڈگری حاصل کرنے سے پہلے ایک خاص امتحان دینیات کا پاس کرے اور یہ بات ہر طالبعلم کے لئے اختیاری ہو گی کہ وہ صرف دینیات یا عربی و فارسی زبانوں میں ڈگریاں حاصل کرے جس کا ایک جداگانہ نصاب تعلیم یونیورسٹی کی طرف سے مقرر کیا جائیگا۔"

پھر ہر موقع اور ہر منزل پر اسی وعدہ کا اعادہ ہوتا رہا اب دیکھنا یہ ہے کہ یونیورسٹی کے بعد یہ وعدہ کہاں تک پورا ہوا بلاشبہ باوجود گرانقدر مشاہرہ یاب علماء اور کورٹ

اور کمیٹیوں میں جلیل القدر عالموں کی شمولیت کے عرصہ تک اسلامک اسٹڈیز کا مفہوم ہی
بحث طلب رہا اور بہت زیادہ مدت غیر منتجہ بخش مباحث میں گذری کچھ مالی مشکلات
بھی حائل رہیں وظائف کی بھی ضرورت رہی جن کے لئے عطیات کا انتظار رہا لیکن
ایفائے وعدہ کا خیال بہرصورت موجود رہا۔ خداوند جل و علیٰ ڈاکٹر سر مسعود جنگ
بہادر کو جزائے خیر دے اور ان کی ہمت وسعی میں خیر و برکت ہو کہ انھوں نے یونیورسٹی کا
جائزہ لینے کے چند ہی ماہ کے اندر ۱۹۳۰ء میں بی٬ ٹی٬ ایچ کا شعبہ قائم کرکے اپنے نامور
باپ کی اسکیم کو عملی شکل دیدی اور اپنے بزرگ نواب محسن الملک کے وعدہ کی تکمیل کردی٬
۲۳ ہزار سالانہ خرچ کے ساتھ ایک فیاض تاجر سے چھ ہزار روپیہ سال وظائف کے لئے
حاصل کر لئے۔

پس اگر ۱۹۳۲ء میں یہ کہا جائے کہ "کاش ہم اس وعدہ کو پورا کرسکتے جو پون صدی سے
ملک اور قوم سے بالاعلان کیا جا رہا ہے" تو نہ صرف حقیقت سے بعید ہے بلکہ وہ صاف
وصریح غلط بیانی ہے جو یونیورسٹی کے مذہبی وقار اور مذہبی نظام پر ایک شدید حملہ سے
ہی تعبیر کی جاسکتی ہے۔

۵۳۸۴